رحمت للعالمین

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

پوری انسانیت کی طرف آخری نبی کی حیثیت سے حضورؐ اکرم کی شانِ رسالت کے بے شمار پہلو ہیں ان میں سے ہر پہلو حضورؐ کی نبوت و رسالت پر ناطق گواہی دیتا ہے۔

حضورؐ اکرم کی شان کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہیں ایک جامع علم کی بنیاد پر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ جامع علم جو انسان کے تجسس اور اس کی تعلیم و تربیت کا جدید ترین تقاضوں کے مطابق شافی جواب مہیا کرتا ہے۔ انسان کی ذہنی الجھنیں، اس کے نفسیاتی تقاضے، آفاق و انفس میں اس کی تگ و دو کے لیے خطوط کا تعین اور اس کی قیامت تک ذہنی اور فکری تگ و تاز اور جولانیوں کا علمی اور فطری جواب فراہم کر دیا گیا۔ اسلام چند غیر عقلی اور منجمد عقائد انسان کے سر نہیں منڈھتا بلکہ متحرک اور فعال اصول اس کے سامنے رکھتا ہے جو بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق اس کی جامع رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ حضورؐ اکرم درحقیقت جامع علم کی بنیاد پر رسول اور ہادی ہیں اور ان کا علم ہٹ دھرمی اور تعصب کو چھوڑ کر بے لاگ سوچ بچار کے لیے واضح خطوط ہدایت مہیا کرتا ہے۔ وہ علم معقول اور ٹھوس استدلال کے ذریعے ان امور کی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے جن تک انسان کی رسائی اپنے دنیوی جامے میں رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے۔ بس آنکھوں سے دکھا دینے کے سوا باقی ساری عقلی ضروریات اسلام نے فراہم کر دی ہیں۔

حضورؐ اکرم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ دعوتِ دین کے لیے اُن کا سینہ اس طرح کھلا ہوا ہے کہ اس میں کوئی رکاوٹ اور تنگی موجود نہیں ہے۔ دعوت پیش کرنے میں وہ قادر الکلام خطیب ہیں۔

اور ناخواندہ لوگوں تک دعوت پہنچانے میں بھی ان کا اندازِ تفہیم وتعلیم حیرت انگیز طور پر سریع الاثر ہے۔ کامران کے سردار اور منکرینِ حق کے سرخیل بھی اگر بحث ومناظرے، تحریص وترغیب یا افہام و تفہیم کے لیے آتے ہیں تو حضورؐ کی چند باتیں سننے کے بعد ہی اپنی ذہنی اور قلبی کیفیت میں حیرت انگیز تغیّر محسوس کرنے لگتے ہیں اور پھر اگر اعترافِ حق ان کے لیے ممکن اور مقدّر نہ ہوتا تو وہ اپنی خیریت راہ فرار میں ہی دیکھتے ہیں۔ کبھی حضورؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، کبھی بات ختم کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور کبھی خاموشی سے اُٹھ کر رخصت ہو جانے اور اپنے اندر قلبی اور روحانی خلاء کا برملا اعتراف کر لیتے ہیں۔ یہ وہ زبردست قوت تکلم وتخاطب وتفہیم ہے جو حضورؐ کو عطا کی گئی ہے اور جس کا سامنا کرنا بڑے بڑے زبان آور اور لسان لوگوں کے بس میں بھی ممکن نہیں ہوتا۔ حضورؐ کو اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کی بات کوئی دوسرا سمجھائے۔ حضورؐ اپنی دعوت کے ایسے جامع اور خود کفیل مبلغ ہیں کہ جس سے بڑھ کر اس دعوت کو پیش کرنے کے کسی دوسرے سلیقے، اہتمام اور جامعیت کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حضورؐ اکرم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ کی دعوت نے معاشرے کے بوجھوں کو ہلکا کیا اور تمام دیرینہ رسوم وقیود کی جڑیں کاٹ کر انسانی معاشرے کو آسان سہل اور سادہ زندگی گزارنے کے قابل بنا دیا ہے۔ آپ سے پہلے اپنے ہی بنائے ہوئے پھندوں میں انسان پھنسا اور جکڑا ہوا تھا اور صدیوں سے اپنے ہی لادے ہوئے بوجھ تلے کراہ رہا تھا۔ حضورؐ نے انسانیت کے بوجھ ہلکے کیے اور اسے زندگی کی شاہراہ پر ہلکے پھلکے انداز میں چلنا سکھا دیا۔

حضورؐ کی تعلیمات کی ایک شان یہ بھی ہے کہ انھیں جہاں مخالفت کرنے والوں سے واسطہ پڑا، وہاں دعوت قبول کرنے والوں، جان قربان کرنے والوں اور قربانیاں دے کر دینِ حق کو دنیا کے آخری کناروں تک پہنچانے کا داعیہ رکھنے والوں سے بھی سابقہ پیش آیا۔ گویا دعوت کا کام ایک فطری ترتیب سے سرانجام پایا۔ مخالفت کرنے والوں نے بلاشبہ سخت ترین مخالفت کی لیکن رفاقت کرنے والوں نے بھی قابلِ رشک اور مثالی رفاقت کر کے دکھائی اور ساتھ ہی رفاقت کرنے والوں کی تعداد دن بدن فطری طور پر بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی۔ اس کے مقابلے میں مزاحمت کرنے والوں کا زور بتدریج ٹوٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل فطری طریقے پر ہی ساری مزاحمت ٹوٹ گئی اور اسلامی تحریک پورے معاشرے

میں اپنی تعلیم اور کردار کے زور سے غالب آگئی ہے وہ فطری اور تدریجی کامیابی کی شان ہے جو خاص حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ ایسی خصوصیت جو قیامت تک انسانی معاشرے میں کام کرتے ہوئے اسلامی جدوجہد کے راستے میں روشنی کا مینار بن کر سامنے آتی رہے گی اور قافلے اس کی مدد سے آگے بڑھتے رہیں گے۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے انسانیت کو پرانے مذاہب کی دیومالا، ان کی مذہبی اجارہ داری، استحصال کرنے والوں کے ایک بھاری سلسلے، پیچ در پیچ افکار و نظریات کے شدید چکر، خام خیالیوں کے پُر فریب جنگل سے نجات ملی۔ معبودانِ باطل کے سلسلے ختم ہو گئے، پنڈتوں، پروہتوں، مذہبی اجارہ داروں، خصوصی مفادات کے حاملوں، رسوم و رواج میں انسانیت کو جکڑ کر اسے اپنی قیادت کی رتھ میں جوتنے والوں اور انہیں خوف و دہشت میں مبتلا کر کے اپنے مفادات کی مستقل اساس بنائے رکھنے والوں سے انسان کو چھٹکارا مل گیا۔ اور انسان ایک بار خدا کی زمین پر خدا کی بندگی کرنے کے لیے مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ اس کے لیے حریتِ فکر، آزادیٔ عمل اور فکری تگ و دو میں عملی حصہ لینا ممکن ہو گیا۔ کسی چیز پر کسی شخص یا گروہ کی اجارہ داری نہ رہی۔ پورے کا پورا دین جو بے شمار چھوٹے بڑے خداؤں کی ملکیت میں بٹا ہوا تھا سمٹ کر تمام تر ایک خدا کے لیے وقف ہو گیا۔ اور ہر انسان بندگی کے فطری نظام پر لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

حضورِ اکرمؐ کی ایک یہ بھی شان ہے کہ آپؐ کا ذکر پیہم پھیلتا ہی چلا گیا۔ اور چار دانگ عالم میں حضورؐ کو سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ انسانوں کے دلوں کے قریب کر دیا گیا۔ کوئی بستی، کوئی گلی، کوئی کوچہ، کوئی انسانی آبادی اور کوئی انسانی گروہ حضورؐ کی تعلیمات سے ناواقف اور آپؐ کے ذکرِ خیر سے محروم نہ رہا۔ پانچوں وقت کی اذانوں میں آپ کا نام بلند ہوا۔ ساری نمازوں میں آپ پر درود کا سلسلہ قیامت تک کے لیے جاری ہو گیا۔ انفس و آفاق میں خدا کے بعد جس ہستی کی سب سے زیادہ تعریف و توصیف ہوئی وہ آپ کی ہی ذاتِ پاک ہے۔ جہاں اللہ کا نام آیا وہاں اللہ کے سب سے زیادہ محترم اور محبوب بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر آیا۔ آپ کا وجود منشائے خداوندی کا مظہر ٹھہرا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔ تو پھر واقعی آپ کا ذکر ایسا بلند ہوا کہ ہر بلندی اس کے سامنے

پست ہو گئی۔ ہر محبوبیت آپ کی محبت کے سامنے دب گئی اور ہر شہرت آپ کے سامنے گردِ راہ بن گئی۔ دنیا کی بستیوں میں کوئی چاہے نہ چاہے آپ کا ذکر پنج وقت ہوا کے دوش پر سوار گھر گھر کے صحن میں پہنچتا اور فرد فرد کو سنائی دیتا ہے۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ مالک کائنات کی نوازشات کا نشان بن کر آئے۔ ایک طرف آپ کا پیغام مکمل ہوا تو دوسری طرف اس پیغام کی تمام برکات سے دنیا نے بھرپور استفادہ کیا۔ تیسری طرف آپ کو ہر قوم پر نصرتِ الٰہی سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کی اٹھائی ہوئی دعوت کامیابی کے تمام مراحل سے بتدریج گزرتی ہوئی اپنے اس فطری مقام تک جا پہنچی جس مقام کو کامیابی کا بہترین اور بلند ترین مقام کہا جا سکتا ہے۔

آپ کو قدم قدم پر قوت و توانائی سے مدد پہنچائی گئی۔ معرکۂ بدر برپا ہوا تو کسے گمان تھا کہ مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے پناہ گزیں لوگ جن کے کاروبار، ذریعہ معاش اور ٹھکانے بھی ابھی اچھی طرح جمے نہ تھے اور جن کو مدینہ کی آب و ہوا بھی ابھی پوری طرح راس نہ آئی تھی، اُن کی مٹھی بھر جمعیت نکلے گی اور قریش کے زرہ پوش مسلح فوجیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دے گی۔ حضورؐ نے دعا میں یہ اصرار فرمایا تھا کہ بارِ الٰہا اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر نام لیوا مٹ گئے تو پھر کوئی تیرا نام لیوا نہ رہے گا۔ اور جب فرطِ انہماک سے چادر مبارک آپ کے کندھوں سے گر پڑی تو آگے بڑھ کر صدیق اکبرؓ نے وہ چادر کندھوں پر ڈال دی اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس کیجیے۔ آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمائے گا، اور وہ کبھی آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ چنانچہ بدر کے معرکہ نے یہ ثابت کر دیا کہ کس کے ساتھ حق کی قوت ہے۔ اب اس کی زمین پر زندہ رہنے کا حق قدرت کی طرف سے کس کو عطا کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تحریک، اس کے داعی، اس کے نیک نفس کارکناں اور اُن کے مسائل کے ساتھ شروع سے آخر تک ایک گہرا اور مضبوط تعلق قائم رکھا، قدم قدم پر اس کی رہنمائی کی، وقتہ وقتہ سے ان لوگوں کو کامیابی کی خوشخبریاں سنائیں۔ جب ہجرت کرنے والوں کا تعاقب کیا جا رہا تھا، تب بھی حضورؐ نے سراقہ بن مالک سے یہی کہا تھا کہ تم ایک روز کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ اور جب غزوۂ احزاب میں خندق کھودی جا رہی تھی اور بھوک کے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے تب بھی کدالوں کی ضرب سے پتھر سے اٹھنے والے شراروں کو دیکھ کر اللہ کے نبی یہی فرما رہے تھے کہ مجھے روم و ایران کے قصروں

کے کنگرے گرتے اور اُن کے محلات فتح ہوتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں حدیبیہ کے میدان میں بظاہر دب کر کیئے گئے معاہدے کو فتح مبین قرار دیا جا رہا ہے اور کہیں اس تحریک کو جنگی فتوحات کے ذریعے، کہیں معاہدات کے ذریعے اور کہیں الہامات و پیغامات کے ذریعے مسلسل یہ خبر دی جا رہی تھی کہ اُس کا مالک اس دعوت کا نگران ہے اور اسے فطری انداز میں قدم بہ قدم اور درجہ بدرجہ لے کر چل رہا ہے اور ایک روز اس کا مقدر فتح مبین اور اس کی منزل کامیابی و کامرانی ہے۔

حضورؐ اکرم کی ایک یہ بھی شان ہے کہ آپ کو حروف کی دُنیا اور قلمی علم کے راستے سے مکمل ناآشنائی رہی۔ لیکن آپ کی تحریک ایک عظیم علمی، اخلاقی اور تعلیمی تحریک بن کر اُٹھی۔ حضورؐ قیامت تک کے لیے معلم انسانیت مقرر کیے گئے۔ جب کہ آپ حضرت جبرئیلؑ سے پہلے تعارف میں ہی بار بار یہ دہرا رہے تھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم ترین بندے کو علم کا سرچشمہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ علم آپ کی باتوں سے، آپ کے طرزِ عمل سے، آپ کی گفتگو سے اور آپ کی خاموشی سے، آپ کی حرکات سے اور آپ کے سکوت سے نمودار ہوا۔ یہ یونیورسٹیاں آپ کے علوم کا احاطہ کرنے سے قاصر رہ گئیں۔ کروڑوں کتب پر مشتمل لائبریریاں آپ کے علوم کی وضاحت و تشریح کے لیے وجود میں آئیں۔ لوگ آپ کی باتوں کو جمع کر کے اور اُن کی تشریح کر کے علامہ دہر بن گئے، حضورؐ اکرم کے علم سے ایک مخصوص تمدن وجود میں آیا۔ ایک جدید تہذیب نمودار ہوئی۔ ایک نئے کلچر نے فروغ پایا۔ ایک علیحدہ نظریاتی قومیت نمودار ہوئی۔ مدرسے، مکتب، مسجد، لباس، انداز بیان، معاملات، حرام و حلال کے پیمانے، دوستی و دشمنی کے تعلقات سے کے انفرادی سطح سے لے کر ملی اور بین الاقوامی سطح تک تمام قواعد وجود میں آگئے اور یہ سب کچھ ایک ایسے انسان کے ذریعے انسان کو ملا جو کی دُنیا سے مکمل ناآشنا تھا۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ ہجرت والے کہلائے۔ ہجرت آپ کی جدوجہد کے مراحل میں ایک عظیم مرحلہ قرار پائی۔ سارے کے سارے اہلِ ایمان گھروں سے بے گھر ہو گئے۔ غربت میں پریشانیوں کا شکار ہوئے، شدید محنت و مشقت سے دوچار ہوئے۔ ان سہولتوں سے ناآشنا ہو گئے جو کسی شخص کو اپنے گھر، اپنے ماحول اور اپنی بستی میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں۔ مکمل طور پر بے خانماں ہو کر اُن کی تحریک نے ایک نئی کروٹ بدلی۔ بے سروسامانی کی شدت نے نئے نئے سروسامان پیدا کر دیے۔

بے وطنی اور شہر بدری نے نئے اخوان، نئے دوست، نئے ہمسائے، نئے تعلقات اور نئے دست و بازو فراہم کر دیے۔ نئی سرزمین نے دعوت کی قدرت و عظمت و تاثیر میں بے بہا وسعت پیدا کر دی۔ نئے کان سننے والے، نئے مخاطب، نئے جواب دینے والے اور نئے لوگ متاثر ہونے والے فراہم ہو گئے۔ اور ایک دعوت جو شہر بدر ہو کر بظاہر بے آسرگی اور بے چارگی کا شکار ہو جانے والی تھی اور حضورؐ کی عظمت و کردار اور تدبیر منزل سے روز افزوں ترقی کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ شاید ہی کوئی دعوت ایسی ہو جسے اس کے فطری ماحول سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو اور اپنی بے وطنی اور بے آسودگی اس کے لیے بار آور ہونے کا سبب بن گئی ہو۔ اس میں حضورؐ اکرم کے عظمت و کردار کا وہ دخل ہے جس کی مثال پوری تاریخ دعوت و عزیمت میں کہیں نہیں ملتی۔

حضورؐ اکرم کی ایک خصوصی شان یہ بھی ہے کہ انھوں نے کتابِ الٰہی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کردار سازی کا کام بھی کیا۔ اور ساتھ ہی حکومت کی تعلیم بھی دی۔ حکمت کی تعلیم دین کا وہ بے پایاں فہم و شعور ہے جو حضورؐ نے قرآن کو خود اپنے وجود میں سمو کر اور اپنے قلب میں اپنا کر اپنی تعلیم، اپنے اعمال اور اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے مجسم قرآن لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ لوگ قرآن کو حضورؐ کی صورت میں دیکھ سکتے تھے۔ اسی لیے خدا نے بھی حضورؐ کے طرزِ عمل اور اسوۂ مبارکہ کو پوری اُمت بلکہ پوری انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین قابلِ اتباع نمونہ بنا کر پیش کیا۔ حضورؐ کی ایک ایک بات حکم بن گئی اور ایک ایک حرکت دلیل و ہدایت قرار پائی۔ جس طرح بدر میں حضورؐ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ قرار پایا اور جو کنکریاں حضورؐ نے پھینکیں خدا نے انھیں اپنی طرف سے پھینکی گئی قرار دیا۔ اسی طرح حضورؐ کا ہر حکم، ہر عمل، ہر بات، ہر اشارہ خدا کا اشارہ قرار پایا اور اس کی پیروی کرنا ہدایت کے لیے ضروری ہو گیا۔ حضورؐ نے بھی اس کا حق اس طرح ادا کیا کہ زندگی کے ہر معاملے میں کھول کھول کر تعلیم ربانی پہنچائی۔ جہاں کانٹے بچھائے گئے، جہاں پتھر مارے گئے، جہاں کوڑا پھینکا گیا، جہاں تمسخر اُڑایا گیا، جہاں لوگ جمع ہوئے، جہاں انسانوں کا کوئی اجتماع ہوا، جہاں جہاں ممکن ہوا، اللہ کی تعلیم اس کے بندوں تک پہنچانے میں حضورؐ نے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی محنت، قوت، مشقت، دوڑ دھوپ، مسلسل کاوش اور پیہم سعی کے ذریعے آپ نے پوری انسانیت پر ثابت کر دیا کہ خدا کا پیغام پہنچانے کا حق کس طرح ادا کیا جاتا ہے اور اتمامِ حجت کس چیز کا نام ہوتا ہے۔ حضورؐ نے پورے معاشرے میں کوئی ایک فرد بھی یکسر جانبدار نہ چھوڑا۔ پورا معاشرہ حضورؐ کی جان توڑ تگ و دو

کے دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ۔ اور جب حضورؐ کی ان مساعی کے نتیجے میں ان دونوں حصوں میں تصادم ہوا تو پھر اللہ کا عظیم ہاتھ آگے بڑھا اور اس نے باطل کا کچومر نکال دیا جس کے نتیجے میں کفر کے حصے میں شکست آئی جو ہمیشہ سے اُس کا مقدر ہے ۔ بشرطیکہ حق کے داعی فتح حاصل کرنے کے وہ سارے تقاضے پورے کریں، جن تقاضوں کو پورا کیے بغیر عالمِ اسباب میں جدوجہد اور سعی کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور نہ باطل کی شکست منصفانہ ہوسکتی ہے ۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں پر نہایت درجہ مہربان تھے اور آپ کی یہ مہربانی دوستوں سے گذر کر مخالفوں کی صف تک پھیلی ہوئی تھی ۔ جنگِ بدر میں قریش کے قیدی بندھے ہوئے پڑے تھے۔ اور چونکہ مشکیں کسی ہوئی تھیں اس لیے کراہ رہے تھے اور درد و تکلیف سے سو نہ سکتے تھے۔ حضرت عباس حضورؐ اکرم کے چچا کا بھی یہی حال تھا جب کہ وہ دل سے مسلمانوں کے خیرخواہ اور اسلام کے ماننے والے تھے ۔ لیکن مصلحتاً" کافروں کی طرف سے آگئے تھے اور انہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا ۔ حضورؐ کو اُن کی کراہیں سن سن کر رات نیند نہیں آرہی تھی ۔ پہریدار نے یہ محسوس کر کے حضرت عباسؓ کے بند ڈھیلے کر دیے ۔ اِس پر عظمت انسانی کے عظیم ترین علمبردار حضورؐ اکرم نے پہریدار کو بلا کر فرمایا کہ سب قیدیوں کے بند ڈھیلے کرائے جائیں ۔ اس کے بعد جب سب قیدی اطمینان سے سو گئے تو پھر حضورؐ کو بھی نیند آگئی ۔

حضور رات کو تہجد کثرت سے پڑھنے کے عادی تھے ۔ اور رمضان المبارک میں تو حضورؐ کا معمول بہت زیادہ وسیع ہو جاتا تھا ۔ حضورؐ نے عشاء کے بعد نوافل کا سلسلہ شروع کر دیا تو صحابہ بھی آپ کے پیچھے آکر کھڑے ہوئے اور با جماعت نوافل پڑھنے لگے ۔ جب حضورؐ نے صحابہ کا یہ ذوق شوق دیکھا تو یہ سلسلہ منقطع کر دیا ۔ صحابہ کرامؓ نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا " تمہارا ذوق شوق دیکھ کر مجھے خطرہ ہوا کہ تم پر کہیں یہ تراویح فرض نہ ہو جائیں اور پھر تم اُسے ادا نہ کرسکو اور اپنے نفسوں پر ظلم کرو اس لیے میں نے یہ سلسلہ ختم کر دیا ۔"

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان تھی کہ آپ لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات دلانے اور اُن کے ایمان لانے کے بیحد حریص اور شائق تھے ۔ آپ لوگوں کی نفع رسانی کے لیے بڑی سے بڑی مشقت اور تکلیف گوارا کر لیتے تھے ۔ حضورؐ کے نزدیک کسی انسان کی سب سے بڑی نفع رسانی اس کا خدا اور

رسول پر ایمان لے آنا تھا جو در حقیقت جاودانی نفع ہے۔ اس لیے جب قریش کے سردار عتبہ نے آکر پیش کش کی کہ آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو زر و جواہر حاضر ہیں، ریاست چاہتے ہیں تو ہم آپ کو رئیس بنا لیتے ہیں۔ تخت چاہتے ہیں تو بادشاہت حاضر ہے۔ بس آپ یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم چاند اور سورج بھی میرے ہاتھوں پر لا رکھو تو میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کام تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اسی کام میں کھپ جائے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی عام بہبود اور اُخروی فلاح کے مقابلے میں حضور ذاتی نفع کی بڑی سے بڑی مقدار کو بھی پرِکاہ کے برابر نہ سمجھتے تھے۔ یہ طرزِ عمل آپ کی شان نبوت کے عین مطابق تھا۔

ابوجہل نے جب حضور کے ساتھ گستاخی کی اور گردن میں چادر ڈال کر اس قدر بل دیئے کہ حضورؐ کی آنکھیں باہر نکل آئیں تو اس کی خبر حضرت حمزہ تک پہنچی۔ حضرت حمزہ اب تک ایمان نہ لائے تھے۔ وہ سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے اور اپنی کمان اُس کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ زخمی ہو گیا اور ساتھ ہی واپس آکر حضور کو بتایا کہ انہوں نے حضورؐ کا انتقام ابوجہل سے لے لیا تھا۔

جواب میں حضورؐ نے فرمایا:

"مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بے حد خوشی ہو گی"

حضورؐ کی اس بات نے حضرت حمزہ کے دل کو جھنجھوڑ دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

غرض مسلمانوں کی نفع رسانی حضورؐ کے دل و دماغ میں ایسی اُتری ہوئی تھی کہ حضورؐ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل جو خطبہ دیا اس میں فرمایا۔

"مسلمانو! اللہ تم کو سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے محفوظ رکھے، تمہاری مدد کرے، تم کو سربلند کرے، تمہیں ہدایت اور توفیق دے۔ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے اور تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ فرمائے۔"

یہ الفاظ یہ بات بتانے کے لیے بہت کافی ہیں کہ حضور کو مسلمانوں کی ہمدردی، نفع رسانی اور دنیوی اور اُخروی ترقیات و فوائد کی کتنی فکر تھی۔ حضورؐ کی یہ شان نرالی اور بڑی ہی دلآویز ہے۔ اس خوبی میں والد کی شفقت اور ماں کا پیار دونوں بھرپور پائے جاتے ہیں۔

حضورؐ کی یہ بھی شان تھی کہ آپ مومنین سے نہایت درجہ پیار کرنے والے اور ان پر حد سے زیادہ مہربانی اور شفقت کرنے والے تھے۔ امت کے ساتھ آپ کی مہربانیوں اور عام انسانوں کے ساتھ آپ کے رحم وکرم کا کوئی حد و حساب نہیں ہے۔ حضورؐ کی زندگی کا ہر سانس رحم وکرم سے بھرپور ہے۔ حضورؐ نصیحت بھی کرتے تو اس پیرائے میں جو کسی کو ناگوار نہ ہو۔ وعظ بھی فرماتے تو اس قدر جو لوگوں کے لیے بوجھل اور بھاری نہ ہو۔ نماز میں اگر کسی بچے کے رونے کی آواز بھی آتی تو بچے کی ماں کے اضطراب اور بچے کی تکلیف کے خیال سے نماز کی قرأت مختصر کر دیتے تاکہ ماں بچے کو جلد سنبھال سکے۔ سواری پر کبھی اس حالت میں سوار ہونا پسند نہ کرتے کہ دوسرے ہمراہ پیدل چل رہے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو بیت المال سے اس کا قرضہ ادا کر دیا کرتے۔ اور فرماتے کہ تم میں سے جب کوئی قرضہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ ہمارے ذمہ ہے اور اس کی وراثت اس کے وارثوں کی ہے۔ حضورؐ کو بالکل پسند نہ تھا کہ لوگوں کی غیبت آپ کے سامنے کی جائے۔ فرمایا کرتے کہ میں اپنا سینہ ہر مسلمان کی طرف سے صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ اُمت کی فلاح و بہبود کے لیے رات رات بھر دُعائیں کیا کرتے۔ چھوٹے بچوں سے بہت پیار کرتے، غلاموں کے ساتھ زمین پر اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھا لیا کرتے۔ اور مسکینوں میں شامل ہو کر رہنے کو بہت پسند کرتے۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک خصوصی شان ہے کہ تمام انبیاء میں آپ پہلے اور آخری رسول ہیں جو صرف اپنی قوم کی طرف ہی نہیں بلکہ سارے عالم انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

ہم نے آپ کو پوری نوعِ انسانی کی طرف بھیجا ہے

اس سے پہلے تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور انہوں نے اپنی تمام تبلیغی مساعی کا محور اپنی قوموں کو ہی بنایا اور انہیں کے محدود مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی — حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی قوم کی نجات کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسٰی اپنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرنے آئے لیکن حضور اکرم کی دعوت کا رُخ پوری انسانیت کی طرف ہے۔ پوری انسانی آبادی اُس کے سامنے ہے۔ ہر قوم، ہر نسل، ہر علاقہ کے لوگ حضورؐ کی دعوت کے مخاطب ہیں اسی لیے حضورؐ کی دعوت میں علاقائیت، یا نسلیت نہیں، بلکہ بین الاقوامیت اور بین الانسانیت

ہے۔ اور پوری دعوت رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کی محدودیتوں سے بالاتر ہے۔ حضورؐ کی دعوت انسانی برادری کی مساوات، اخوت اور نظریاتی برابری کے اصولوں پر قائم کرتی ہے۔ حضورؐ کی دعوت کا یہ رُخ ہے جو ایک طرف مکمل طور پر منفرد ہے اور دوسری طرف قیامت تک کے لیے کفایت کرتا اور حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے پر گواہی دیتا ہے۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان ہے کہ آپ خاتم النبیین ہوئے یعنی آپ کے بعد اور کوئی دوسرا رسول انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے آنے والا نہیں ہے۔ گویا حضورؐ کی تعلیمات قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے پوری طرح کفایت کرتی ہیں۔ حضورؐ کا لایا ہوا دین وہ آخری صراط مستقیم ہے جو انسانوں کو اُن کے خالق تک پہنچاتا ہے اور اُس کے سوا باقی سارے راستے اینچ پینچ کی پگڈنڈیاں ہیں جن کے سامنے بھٹکنے اور تباہی کے سوا دوسری کوئی منزل نہیں ہے۔ صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے اور وہ حضورؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کی صورت میں بنی نوع انسان کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اب جب کہ پوری دُنیا سمٹ کر ایک کنبہ بن چکی ہے اس میں زبان اور دُوری کے مسائل ختم ہو گئے ہیں۔ پیغام پہنچنے کے بے شمار سریع الاثر ذرائع موجود ہیں اور تبلیغ دین کے لیے بھی مسافتیں مختصر ہو گئی ہیں۔ ایسی صورت میں ہر روز جو طلوع ہوتا ہے وہ حضور کی ختم نبوت پر مُہر لگاتا ہے اور جوں جوں انسانیت رنگ و نسل اور علاقہ و قبیلہ کی عصبیتوں سے نجات پا رہی ہے۔ ویسے حضورؐ کا لایا ہوا دین بالکل ایک فطری ضرورت کے طور پر انسانوں میں متفق علیہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

(باقی)